پروفیسر اختر راہی

ایک اقبال شناس - مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا ابوالحسن علی ندوی، جو علمی حلقوں میں علی میاں کے مختصر نام سے معروف ہیں، ۶ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۴ء) کو تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی پیدا ہوئے۔ ان کا نسبی تعلق شہید بالاکوٹ حضرت سید احمد شہیدؒ کے خانوادے سے ہے۔ ان کے والدِ ماجد سید عبدالحی مرحوم سے اُردو ادب کا ہر طالب علم "گلِ رعنا" کی نسبت سے اور عربی دان طلبہ "نزہت الخواطر" کے حوالے سے متعارف ہے۔

علی میاں کی عمر نو سال کے لگ بھگ تھی کہ والدِ ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ان کی پرورش اور تربیت بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی ناظم ندوۃ العلما کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ ندوۃ العلما لکھنؤ میں تعلیم پائی۔ کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں مولانا حسین احمد مدنی مرحوم سے استفادہ کیا اور قرآنِ مجید کا خصوصی مطالعہ مولانا احمد علی لاہوری کے حلقہ درس میں کیا۔

۱۹۳۴ء میں ندوۃ العلما میں مدرس مقرر ہوئے اور آج کل "ناظم" کی حیثیت سے اپنی مادرِ علمی کی خدمت کر رہے ہیں۔ مولانا علی میاں کہنہ مشق ادیب، باشعور مورخ اور متبحر عالمِ دین ہیں۔ ان کے قلم سے بیسیوں کتابیں نکل چکی ہیں۔ ان کی عربی کتب عالمِ عرب میں زبان و بیان اور فکر و فلسفہ ہر دو اعتبار وقیع سمجھی جاتی ہیں۔ تاریخ دعوت و عزیمت، سیرت سید احمد شہید، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، قادیانیت (مطالعہ و جائزہ)، ارکانِ اربعہ، پرانے چراغ اور نقوشِ اقبال ان کی چند اہم اور معروف تصنیفات ہیں۔

مولانا علی میاں علمائے سلف کا زندہ نمونہ ہیں۔ وہ خلیق، ملنسار اور اپنے علم و فضل کو سادگی کی ردا سے چھپائے ہوئے ہیں۔ ممتاز اقبال شناس یوسف حسین خان مرحوم مؤلف "روحِ اقبال" کے الفاظ میں "اس زمانے میں علما کی آبرو ہیں۔"[1]

---

[1] یادوں کی دنیا، ص ۲۶۴

علامہ اقبال سے دلچسپی

علامہ اقبال سے مولانا کی دلچسپی سنِ شعور سے ہے اور علامہ کے افکار سے وہ بہت متاثر ہیں۔ لکھتے ہیں :

"زندگی کے طویل تر دور میں دماغ پر علامہ اقبال مرحوم کا بڑا غلبہ رہا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی معاصر شخصیت کے افکار کا اتنا گہرا اثر دماغ پر نہیں پڑا جتنا علامہ اقبال کے کلام کا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان خیالات اور تمناؤں کی ترجمانی کرتے ہیں جو روح و جسم میں پیوست ہو چکی ہیں" [۵۲]

علی میاں ابھی زیرِ تعلیم تھے کہ علامہ کی بعض منظومات کا عربی نثر میں ترجمہ شروع کیا۔

علامہ اقبال سے ملاقاتیں

۱۹۲۹ء میں ان کی عمر تقریباً ۱۵ سال تھی اور لاہور میں بسلسلۂ تعلیم مقیم تھے۔ اُن دنوں اورینٹل کالج میں ان کے پھوپھا مولانا سیّد طلحہ (م ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء) مدرس تھے۔ مولانا سید طلحہ نے علی میاں کو لاہور کی ممتاز شخصیات سے ملایا۔ جون ۱۹۲۹ء میں پہلی بار علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ سے ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا۔ "یہ مصنفِ گلِ رعنا کے فرزند ہیں اور انھوں نے آپ کی بعض نظموں کا عربی نثر میں ترجمہ کیا ہے" [۵۳]

اس مجلس میں علی میاں نے علامہ کو ان کی نظم "چاند" کا عربی ترجمہ دکھایا۔ علامہ نے اسے دیکھ کر ان سے بعض عرب شعرا کے متعلق کچھ سوالات کیے جن سے ان کی معلومات کا اندازہ مقصود تھا۔

دوسری اور آخری بار علامہ سے ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء کو ملاقات ہوئی۔ مولانا سید محمد طلحہ ان کے ساتھ تھے [۵۴]۔ اس یادگار ملاقات کی روداد علی میاں نے "عارفِ ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے" کے زیرِ عنوان لکھی جو بعد میں "نقوشِ اقبال" کے دیباچے میں شامل کر لی گئی۔ مولانا علی میاں لکھتے ہیں :

"اس صحبت میں ہر طرح کے موضوعات زیرِ بحث آتے رہے۔ سلسلۂ گفتگو میں شعرِ جاہلیت کا ذکر آیا تو اقبال نے اس کی صداقت و واقعیت، اس کے جوش و خروش کا پسندیدگی کے ساتھ ذکر کیا اور حماسہ کے بعض اشعار پڑھے۔

---

۵۲ ماہنامہ "الحق" (اکوڑہ خٹک) شمارہ مئی ۱۹۷۲ء ۔ ص ۴۴

۵۳ پرانے چراغ، ص ۲۴۱ ۵۴ ایضاً ـــ نقوشِ اقبال، ص ۳۴

وہ کہنے لگے کہ اسلام اپنے پیروؤں میں عملیت اور حقیقت پسندی پیدا کرتا ہے اور ادھر آج کی سائنس بھی اپنی حقیقت پسندی اور تخیلات سے گریز میں اسلام کے قریب نظر آتی ہے۔ اسلام کی دو صدیوں میں مسلمانوں میں یہ سوح زندہ رہی جس کے نتیجے میں وہ عقیدہ و عمل، سیرت و اخلاق کے جادۂ استوار پر گامزن رہے لیکن یونانی فلسفۂ الٰہیات نے مشرق کو مردِ بیمار اور بیکار بنا دیا ــــ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ بھی اسی وقت ہوئی جب اس نے اپنے کندھوں سے فلسفہ مابعد الطبیعات کا جوا اتار پھینکا اور مفید نتیجہ خیز علوم کی طرف متوجہ ہوا لیکن اس عہد میں وہ مسائل پیدا ہونے لگے جنھوں نے یورپ کو بھی رجعت پسندی کی لائن پر ڈال دیا۔ انھوں نے کہا کہ عربی فرفرغِ اسلام کے لیے بہت سازگار ثابت ہوا لیکن عجمی تخیلات نے اسلام پر وہی ظلم کیا جو کلیسا نے یورپ پر کیا تھا۔ مجموعی طور پر آریائی فکر نے دونوں مذہبوں کو کم و بیش اپنی گرفت میں لے لیا۔ آپ نے تصوف کے ذکر میں بعض صوفیا کے فکری غلو پر تنقید کی اور وجد و سماع کے بارے میں کہنے لگے کہ صحابۂ کرام کو بجائے ان خیال آرائیوں کے شہسواری اور جاں سپاری میں طرب و اہتزاز اور راحت و مسرت محسوس ہوتی تھی۔

ہندوستان میں اسلام کی تجدید و احیا کی بات نکلی تو شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلوی، سلطان محی الدین عالمگیر کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ اگر ان کا وجود اور ان کی جد و جہد نہ ہوتی تو ہندوستانی تہذیب اور فلسفہ اسلام کو نگل جاتا ــــ پاکستان[۵۵] کے بارے میں فرمایا کہ جو قوم اپنا ملک نہیں رکھتی وہ اپنے مذہب و تہذیب کو بھی برقرار نہیں رکھ سکتی۔ دین و تہذیب حکومت و شوکت ہی سے زندہ رہتے ہیں، اس لیے پاکستان ہی مسلم مسائل کا واحد حل ہے اور یہی اقتصادی مشکلات کا حل بھی ہے۔ ضمناً انھوں نے اسلام کے نظامِ زکوٰۃ اور بیت المال کا بھی ذکر کیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں فرمایا کہ میں نے بعض مسلم والیانِ ریاست و حکومت کو غیر مسلموں میں تبلیغ کی طرف توجہ دلائی ــــ اور مسلمانوں میں بھی دعوت کے کام پر زور دیا . . . اور عربی زبان کی ترقی اور ایک عالمی بنک کے قیام کے بارے میں بھی بات چیت کی . . . میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کے معاملات کی وکالت کے لیے ایک بلند پایہ انگریزی اخبار بھی ضروری ہے، جس سے ملّت کی آواز میں طاقت اور اثر پیدا ہو، لیکن افسوس ہے کہ مسلم والیانِ ریاست نے مسئلے کی اہمیت نہیں سمجھی اور نہ انھیں خطرات کا احساس ہوا۔ ان کی تنگ نظری، پست خیالی اور خود غرضی

---

۵۵ یہ پاکستان کے وجود میں آنے سے پورے دس برس پہلے کی بات ہے۔ (علی میاں)

کے وہ بہت شاکی تھے۔"[56]

اس ملاقات میں مولانا علی میاں نے علامہ سے اُن کے کلام کے عربی ترجمہ کی اجازت بھی حاصل کی جو علامہ نے خوشی کے ساتھ دے دی۔

علامہ کے فن و شخصیت پر کام کرنے کا عزم

اس ملاقات کے پانچ ماہ بعد علامہ وفات پا گئے تو اُن کے فن و شخصیت پر کام کرنے کا عزم پختہ ہو گیا۔ مولانا علی میاں نے اپنے عزیز دوست مولانا مسعود عالم ندوی کو پٹنہ میں خط لکھا جہاں وہ خدا بخش لائبریری میں کیٹلاگر تھے۔ ایک دوسرے سے تعزیت کی اور علامہ پر کام کرنے کا پروگرام بنایا۔ مسعود عالم ندوی کے علامہ سے تعلقات اُن کے نام خطوط سے معلوم ہوتے ہیں[57]۔ مولانا مسعود عالم علامہ اقبال کے بڑے پُرجوش مبلغ تھے اور ان کی حمایت، حمیت کے درجے کو پہنچی ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں علامہ کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر "برصغیر ہند و پاکستان میں اسلامی تحریک کی تاریخ" کے مختصر مضمون میں علامہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ اس دور (بعد از ۱۸۵۷ء) میں اقبال کے فکر و نظر اور اُن کی تصنیفات سے اسلامی فکر کی تشکیل و پرداخت میں بڑی مدد ملی ہے اور اپنی عمر کے آخری سالوں میں قادیانیت کے خلاف ان کا جہاد تو اسلامی ہند کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے"[58]

دونوں دوستوں ۔ علی میاں اور مولانا مسعود عالم ندوی ۔ کے درمیان طے پایا کہ مولانا مسعود عالم ندوی عربی میں علامہ کی حیات اور پیغام پر لکھیں اور ان کے کلام کو علی میاں عربی کا جامہ پہنائیں۔ چنانچہ مولانا مسعود عالم نے قاہرہ کے وقیع مجلہ "الفتح" میں علامہ کے بارے میں ایک موثر مضمون لکھا۔ مولانا علی میاں نے بھی ان کی زندگی پر ایک مقالہ لکھا:

اس کے بعد تقریباً دس سال تک علی میاں اپنے تصنیفی اور تعلیمی اشغال کی وجہ سے علامہ پر کچھ نہ لکھ سکے۔

---

[56] نقوشِ اقبال، ص ۳۴ - ۳۶

[57] اقبال نامہ، حصہ اوّل، ص ۴۰۰ - ۴۰۸

[58] روداد جماعتِ اسلامی، حصہ ششم، ص ۱۹۷

تجدیدِ کار

۱۹۵۰ء میں مولانا علی میاں کو حجاز اور مصر و شام کے سفر کا اتفاق ہوا اور تقریباً ایک سال سے زائد قیام کا موقع ملا تو انھوں نے علامہ کے فکر و فلسفہ پر چند مقالات لکھے جو دارالعلوم اور جامعہ قاہرہ میں پڑھے گئے۔ اسی طرح ۱۹۵۶ء میں دمشق ریڈیو کے لیے ایک مقالہ "محمد اقبال فی مدینۃ الرسول" کے زیرِ عنوان لکھا۔ علی میاں کی مشرقِ وسطیٰ میں جو قدر دانی ہے اور اُن کے علم و فہم پر جس قدر اعتماد کیا جاتا ہے، اس کا تقاضا تھا کہ اُن سے علامہ اقبال پر لکھنے کا مطالبہ کیا جاتا۔ عالمِ عرب کے مشہور ادیب علی طنطاوی نے "المسلمون" (دمشق) میں ان کے نام ایک کھلا خط لکھا اور درخواست کی کہ مولانا علی میاں، علامہ اقبال کے کلام کو عربی کا جامہ پہنائیں۔

علی طنطاوی کی فرمائش نے ایک بار پھر علی میاں کی بجھی اور سوئی ہوئی طبیعت کو آمادہ بہ عمل کر دیا اور ایک ہی نشست میں "مسجدِ قرطبہ" کا ترجمہ ہو گیا۔ اس کے بعد علامہ پر مسلسل کئی مقالات بھی لکھے گئے

روائع اقبال / نقوش اقبال

ان مقالات اور نشری تقاریر کو "روائع اقبال" کے نام سے دمشق اور بیروت میں شائع کیا گیا۔ بعد میں مولوی شمس تبریز خان نے "روائع اقبال" کو اردو میں منتقل کیا اور "نقوش اقبال" نام رکھا۔ نقوشِ اقبال کے جائزہ سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مولانا علی میاں کے اندازِ فکر پر چند باتیں ہو جائیں۔

علامہ کے بارے میں اندازِ فکر

"نقوشِ اقبال" کے دیباچے میں مولانا علی میاں نے علامہ کے بارے میں اپنے اندازِ فکر پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

"میں اقبال کو کوئی معصوم و مقدس ہستی اور کوئی دینی پیشوا اور امام مجتہد نہیں سمجھتا اور نہ میں ان کے کلام سے استناد اور مدح سرائی میں حدِ افراط کو پہنچا ہوا ہوں جیسا کہ ان کے غالی معتقدین کا شیوہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حکیم سنائی، عطار اور عارف رومی آدابِ شریعت کے پاس اور لحاظ اور ظاہر و باطن کی یک رنگی اور دعوت و عمل کی ہم آہنگی میں ان سے بہت آگے ہیں۔ اسلام کے یہاں اسلامی عقیدہ و فلسفہ کی ایسی تعبیریں بھی بنتی ہیں جن سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ میں بعض پُرجوش نوجوانوں کی طرح اس کا بھی قائل نہیں کہ اسلام کو ان سے بہتر کسی نے سمجھا ہی نہیں اور اس کے علوم و حقائق تک ان کے سوا کوئی پہنچا ہی نہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے ہر دور

ہیں اس کا قائل رہا کہ وہ اسلامیات کے ایک مخلص طالب علم رہے اور اپنے مقتدر معاصرین سے برابر استفادہ ہی کرتے رہے۔"

" میں سمجھتا ہوں کہ اقبال وہ شاعر ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے مطابق بعض حکم و حقائق کہلوائے ہیں جو کسی دوسرے معاصر شاعر و مفکر کی زبان سے ادا نہیں ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ پیغامِ محمدی کے بقائے دوام، اُمتِ مسلمہ کے استحکام اور اس کی قائدانہ صلاحیت نیز عصری نظریات و فلسفہ کی بے مائگی پر ان کے پختہ عقیدے سے ان کی فکر میں وضاحت اور پختگی آئی ہے اور خود ان کی خودی کی تعمیر ہوئی ہے۔ اس معاملے میں خاص کر دینی علوم کے اُن فضلا سے بھی آگے ہیں جو مغربیت کی حقیقت سے واقف نہیں اور نہ انھیں اس کے حقیقی اغراض و مقاصد اور تاریخ سے گہری واقفیت ہے۔"[۵۹]

مولانا علی میاں اپنی علمی و مطالعاتی زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ابتدائی استغراق و انہماک کے دور میں تنبیہ ہوئی کہ کسی انسان کے کلام سے اس قدر انہماک اور شیفتگی اچھی نہیں۔ اصل شغف اور انہماک کی چیز اللہ تعالیٰ کا ابدی پیغام اور کلام ہے جو قرآنِ مجید کی شکل میں محفوظ ہے اور جس کو جو کچھ ملا ہے، اسی سے ملا ہے لیکن اب بھی ان کے اشعار خون میں تموج اور جذبات میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں اور عالمِ اسلام کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اب بھی ان کو طاقت اور خود اعتمادی کا ایک بہت بڑا سرچشمہ سمجھتا ہوں۔"[۶۰]

نقوشِ اقبال۔ مختصر جائزہ

" نقوشِ اقبال" کا انداز وضاحتی اور تحریکی ہے۔ مولانا علی میاں نے ان نظموں کو منتخب کیا ہے جن سے علامہ کے پیغام کو بہتر طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور مخاطبین کو متحرک کرنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔" ابلیس کی مجلسِ شوریٰ"، مسجدِ قرطبہ، ذوق و شوق، طارق کی دعا اور ساقی نامہ پر لکھے گئے مضامین اسی انداز میں ہیں۔

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ پر لکھتے ہوئے علامہ کی دوسری ہم مضمون نظموں سے استشہاد کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا، شرارِ بولہبی، چراغِ مصطفوی کے درپے ہے۔ دین داروں میں دینی روح کا فقدان ہو گیا

---

۵۹ نقوشِ اقبال، ص ۳۹-۴۰

۶۰ ماہنامہ "الحق"، شمارہ مئی ۱۹۷۲ء، ص ۴۴

ہے لیکن مغربی تہذیب بھی اپنا رول ادا کر چکی ہے۔ اس کا وقت پورا اور اس کا ترکش خالی ہو چکا ہے۔ تہذیبِ مغربی مٹنے والی ہے اور ایک نیا عالم انگڑائی لے رہا ہے اور اس عالم کی تعمیر وہی کر سکتا ہے جس نے انسانیت کے لیے دنیا میں بیت الحرام بنایا تھا اور دنیا کی قیادت کا علم سنبھالا تھا۔

تقریباً یہی انداز دوسری نظموں کی تشریح و توضیح میں اختیار کیا گیا، چوں کہ یہ مضامین عربوں کو مخاطب کر کے لکھے گئے تھے اس لیے "ملتِ عربی" کی گونج زیادہ ہے۔ نظموں کی تشریح و توضیح کے ساتھ ساتھ کچھ فکری مضامین ہیں۔ مثلاً "اقبال اور مغربی تہذیب و ثقافت، اقبال کا نظریہ علم و فن، اقبال اور عصری نظامِ تعلیم، اقبال اور قومیت و وطنیت وغیرہ۔

ان مضامین میں مؤلف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اقبال مغربی تہذیب کے باغی ہیں اور انھوں نے اس تہذیب کو بغور پڑھا ہے۔ انھوں نے اپنے فکر میں اسلامی نظامِ حیات کو پیش کیا ہے۔ "نقوشِ اقبال" میں اسلام کی بنیادی تعلیمات اور ان کی روح، امتِ مسلمہ کی تجدید و اصلاح، مغربی تہذیب اور اس کے علوم کے متعلق علامہ اقبال کے افکار کا خلاصہ آگیا ہے۔ اس کتاب سے علامہ کے پیام اور فکر کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

ماخذ

پرانے چراغ	ابوالحسن علی ندوی	مکتبہ فردوس۔لکھنؤ (۱۹۷۵ء)
نقوشِ اقبال	ابوالحسن علی ندوی	مجلس نشریاتِ اسلام۔کراچی (۱۹۷۳ء)
یادوں کی دُنیا	یوسف حسین خان	مطبع معارف۔اعظم گڑھ (۱۹۶۷ء)
اقبال نامہ حصہ اوّل	عطاء اللہ ایم اے	شیخ محمد اشرف لاہور (س۔ن)
روداد جماعتِ اسلامی حصہ ششم	—	مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی لاہور

ماہنامہ "الحق" (اکوڑہ خٹک) بابت ماہ مئی ۱۹۷۲ء